OPEN ACCESS
SUJRIS
﴾ Swat University Journal of Religious & Islamic Studies ﴿
ISSN: 2959-5509
www.sujris.uswat.edu.pk

SUJRIS
Vol.:4, Issue: 1, Jan - March 2026 PP: 01-18

واقعاتِ سیرت میں فقہ التصوف کے مباحث: ملا علی قاریؒ کی شرح 'مرقاۃ المفاتیح' کا ایک خصوصی مطالعہ

Discourses of Fiqh al-Tasawwuf in Seerah Narratives: A Specialized Study of Mulla Ali Al-Qari's Mirqat al-Mafatih

Dr. Ilyas Ahmad
Lecturer, Islamic Studies, SBB University Sheringal, Dir Upper KP
Ilyasahmad99@gmail.com

Dr. Sar Zamin Khan
Theology Teacher, Govt High School Meena, Malakand, KP
Sarzamin.mscr404@iiu.edu.pk

Mr. Abdur Rafiq
Senior Theology Teacher, Govt High School Badarkani, Dir Upper KP
arafiqroughani@gmail.com

Abstract

This research article explores the mystical dimensions and spiritual principles (Fiqh al-Tasawwuf) embedded within the Prophetic Biography (Seerah) specifically focusing on the scholarly methodology of Mulla Ali Al-Qari in his magnum opus ,Mirqat Al-Mafatih .While traditional Seerah studies often prioritize historical and legal frameworks, this study adopts a descriptive and analytical approach to extract the core tenets of Sufism from selected Seerah events.The research particularly highlights Al-Qari's unique interpretive methodology, which transcends literalist approaches by employing Sufi allusions (Isharat) ,linguistic affinities ,and the integration of Sharia and Tariqa . By examining key occurrences such as the seclusion in Cave Hira and the Migration (Hijrah) ,the study illustrates how Mulla Ali Al-Qari derives profound spiritual stations (Maqamat) and therapeutic insights for self-purification. The findings demonstrate that Mulla Ali Al-Qari treats Seerah narratives as practical benchmarks for spiritual stability (Tamkin) and the etiquette of the mentor-disciple relationship. The study concludes that Mulla Ali Al-Qari's methodology positions Mirqat Al-Mafatih as a vital academic bridge between the science of Hadith and the discipline of Tasawwuf, proving that authentic Sufism is intrinsically linked to the inner understanding of the Seerah.

Keywords: *Seerah Narratives, Fiqh al-Tasawwuf, Mulla Ali al-Qari, Mirqat al-Mafatih, Spiritual Stations, Self-Purification.*

CC BY

مقدمہ

سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ اسلامی فکر و دانش کے ارتقاء میں ہمیشہ ایک اساسی محور رہا ہے۔ دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک سیرت نگاری کے مختلف مناہج سامنے آئے ہیں، جن میں تاریخی وقائع کی ترتیب، غزوات کی تفصیل، معجزات کا بیان اور فقہی احکام کے استنباط کو غلبہ حاصل رہا ہے۔ تاہم، سیرتِ مطہرہ کا ایک نہایت عمیق اور انقلابی پہلو وہ 'روحانی و باطنی نظامِ تربیت' ہے جسے اہل اللہ کی اصطلاح میں 'فقہ التصوف' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فقہ التصوف سے مراد محض چند اخلاقی نصائح کا مجموعہ نہیں، بلکہ سیرت کے ظاہری واقعات کے بطن سے وہ 'اسرارِ سلوک' اور 'مقاماتِ احسان' اخذ کرنا ہے جو ایک طالبِ حق کے تزکیہ اور اصلاحِ باطن کے لیے شاہراہِ مستقیم فراہم کرتے ہیں۔

علمِ حدیث اور فنِ شرحِ حدیث کی تاریخ میں گیارہویں صدی ہجری کے عبقری عالم، امام ملا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آپؒ نے نہ صرف علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اپنی علمی بصیرت اور امامت کا لوہا منوایا، بلکہ آپؒ کا طرۂ امتیاز شریعت اور طریقت کے مابین اس فکری بُعد کو ختم کرنا ہے جو بعض ظاہری گروہوں کی تعبیراتی تفرید کی بنا پر پیدا ہو گیا تھا۔ آپؒ کی معرکہ آرا تصنیف 'مرقاۃ المفاتیح' (شرح مشکاۃ المصابیح) فنِ حدیث اور علمِ تصوف کے حسین امتزاج کا ایک نادر علمی شاہکار ہے، جو متونِ حدیث سے استنباطِ مسائل اور تزکیۂ نفوس کے پہلوؤں کو یکجا پیش کرتی ہے۔

اس شرح کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ سیرت سے متعلقہ احادیث کی تشریح کرتے ہوئے محض لغوی و فقہی ابعاد پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ وہ 'اشاراتِ باطنیہ' اور 'لطائفِ مربیانہ' کے ذریعے یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیرت کا ہر واقعہ درحقیقت 'مشاہدۂ حق' کی ایک منزل ہے۔ آپؒ کا منہج یہ ہے کہ وہ ظواہرِ سیرت کو صوفیانہ احوال (جیسے فنا، بقا، تمکین اور تجرید) پر اس طرح منطبق کرتے ہیں کہ تصوف کوئی الگ یا اجنبی راستہ نہیں، بلکہ اتباعِ سنت کا حقیقی جوہر نظر آنے لگتا ہے۔

زیرِ نظر تحقیق اسی علمی ضرورت کے پیشِ نظر ترتیب دی گئی ہے کہ ملا علی قاریؒ کے مخصوص تحقیقی و مربیانہ اسلوب کی روشنی میں واقعاتِ سیرت سے فقہ التصوف کے ان مباحث کو مدون کیا جائے جو دورِ جدید کے علمی و روحانی خلا کو پُر کر سکیں۔ اس مقالے کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ تصوف کا ہر قاعدہ مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہے، اور ملا علی قاریؒ کی یہ شرح علمِ حدیث اور فنِ سلوک کے مابین ایک ایسی مستحکم کڑی ہے جو سالک کو 'عمل' سے 'حال' کی طرف لے جانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

خلاِ تحقیق (Research Gap)

سیرتِ نبوی ﷺ پر علمی کام کی کثرت کے باوجود، سیرت نگاری کا غالب اسلوب تاریخی وقائع اور فقہی احکام تک محدود رہا ہے۔ اگرچہ ملا علی قاریؒ کی 'مرقاۃ المفاتیح' ایک مایہ ناز شرحِ حدیث ہے، مگر اس کا مطالعہ عموماً فنی و فقہی ابعاد تک ہی منحصر رہا ہے۔ سیرت کے مخصوص واقعات سے ملا علی قاریؒ کے استنباط کردہ صوفیانہ قواعد (فقہ التصوف) کو ایک مستقل تحقیقی عنوان کے طور پر ابھی تک اس طرح پیش نہیں کیا گیا جو عصرِ حاضر کے علمی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ زیرِ نظر تحقیق اسی خلا کو پُر کرنے کی ایک علمی کوشش ہے تاکہ تصوف اور سیرت کے باہمی ربط کو ملا علی قاریؒ کے منہج کی روشنی میں واضح کیا جا سکے۔

منہجِ تحقیق: (Research Methodology)

زیرِ نظر تحقیق میں موضوع کی نوعیت اور علمی ضرورت کے پیشِ نظر توصیفی اور تجزیاتی منہج (Descriptive

and Analytical Method) اختیار کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی ماخذ (Primary Source) علامہ ملا علی قاریؒ کی مایہ ناز شرح حدیث 'مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح' ہے۔ تحقیق کے طریقہ کار میں سب سے پہلے مشکاۃ المصابیح کے ابواب السیرت اور متعلقہ احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے، جس کے بعد 'مرقاۃ المفاتیح' میں مذکور ان کے شروح و حواشی کا عمیق مطالعہ کیا گیا ہے۔

تحقیق کے دوران اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ملا علی قاریؒ نے سیرت کے کسی واقعے سے جو صوفیانہ قاعدہ یا فقہ التصوف کا نکتہ اخذ کیا ہے، اسے اصل عبارت کے مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے عصرِ حاضر کے علمی اسلوب میں پیش کیا جائے۔ ماخذ و مراجع کے لیے مستند لائبریریوں اور ڈیجیٹل ڈیٹا بیس سے استفادہ کیا گیا ہے، جبکہ حوالہ جات کی ترتیب میں متعلقہ علمی و تحقیقی معیارات (Citations Standards) کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ تحقیق کی استنادی حیثیت برقرار رہے۔

فقہ السیرۃ: لغوی واصطلاحی تعریف

لغت میں "فقہ" سے مراد کسی شے کا گہرا فہم اور مقصودِ کلام تک پہنچنا ہے[1]۔ اصطلاحی مفہوم میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطیؒ کے نزدیک "فقہ السیرۃ" کا مقصد نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات کو محض ایک تاریخی داستان یا قصہ خوانی کے طور پر پیش کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ سیرت کے وقائع سے شرعی احکام، دعوتی اصول، اور تربیتی واخلاقی اسباق مستنبط کیے جائیں تاکہ سیرت ایک زندہ جاوید نمونہ بن کر سامنے آئے[2]۔ ملا علی قاریؒ کے نزدیک بھی سیرت کے وقائع سے باطنی حقائق کا ادراک کرنا ہی حقیقی "فقہ" ہے جو بندگی کی روح تک پہنچاتا ہے[3]۔

فقہ التصوف: اصطلاحی تعریف

علامہ ابن تیمیہؒ کے مطابق "فقہ التصوف" وہ علم ہے جو نفس کی اصلاح، باطنی امراض کے علاج اور بندگی کے اعلیٰ مقام "احسان" کے حصول سے بحث کرتا ہے[4]۔ ان کے نزدیک "صوفی" وہ صدیق ہے جو اپنے باطن کو کدورتوں سے پاک کر کے فکر و نظر میں کمال حاصل کر لے اور اس کا راستہ کتاب و سنت کی پیروی ہو[5]۔ ملا علی قاریؒ کے نزدیک تصوف درحقیقت "علمِ باطن" ہے جو سالک کو "حضور مع اللہ" (اللہ کے ساتھ قلبی حاضری) اور فنا و بقا کے مقاماتِ عالیہ تک پہنچاتا ہے[6]۔ ان کے نزدیک تصوف کی بنیاد "تخلیہ" (باطن کو غیر اللہ سے خالی کرنا) پر ہے تاکہ "تحلیہ" (نورِ الٰہی سے آراستگی) حاصل ہو سکے[7]۔

فقہ السیرۃ اور فقہ التصوف کا علمی و عملی تلازم

فقہ السیرۃ اور فقہ التصوف کے مابین ربط محض نظری نہیں بلکہ ایک گہرا علمی و عملی تلازم ہے، جہاں سیرتِ نبوی ﷺ اساس اور تصوف اس کی معنوی روح بن کر ابھرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطیؒ کے نزدیک فقہ السیرۃ کا حقیقی مقصد وقائعِ سیرت سے تربیتی و اخلاقی اسباق کا استنباط ہے تاکہ سیرت ایک زندہ جاوید نمونہ بن سکے[8]، جبکہ علامہ ابن تیمیہؒ اسی مقصد کو فقہ التصوف کے پیرائے میں 'اصلاحِ نفس' اور 'مقامِ احسان' سے تعبیر کرتے ہیں[9]۔ ملا علی قاریؒ اس ربط کو مزید مستحکم کرتے ہوئے سیرت کے ہر سفر کو ایک 'سلوک' (روحانی سفر) قرار دیتے ہیں؛ ان کے نزدیک ہجرتِ مدینہ محض ایک سیاسی نقل مکانی نہیں

بلکہ 'خروج من النفس' (نفس کے علائق سے نکل کر اللہ کی طرف سفر) ہے اور معراج کی واپسی 'بقاء بعد الفناء' کی صوفیانہ تکمیل ہے[10]۔ امام مالکؒ کا یہ زریں اصول کہ 'فقہ (شریعت) کے بغیر تصوف گمراہی ہے اور تصوف کے بغیر فقہ محض بے روح ڈھانچہ'، اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ سیرت کے اعمالِ ظاہری اور احوالِ باطنی کو جمع کرنا ہی کمالِ بندگی ہے[11]۔ چنانچہ، ملا علی قاریؒ کی 'مرقاۃ المفاتیح' کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سیرت کے وقائع سے باطنی حقائق کا ادراک ہی وہ حقیقی فقہ ہے جو سالک کو 'حضور مع اللہ' کے مقاماتِ عالیہ تک پہنچاتا ہے[12]۔

ملا علی قاریؒ کا علمی منہج واسلوب (Mulla Ali Qari's Scholarly Methodology and Style)

ملا علی قاریؒ کا 'مرقاۃ المفاتیح' میں سیرت کے واقعات سے فقہ التصوف (Sufi Jurisprudence) اخذ کرنے کا طریقہ کار نہایت منضبط اور علمی اصولوں پر مبنی ہے، جس کے نمایاں خدوخال درج ذیل ہیں:

۱. ظواہرِ سیرت سے باطنی قواعد کا استنباط (Extraction of Inner Principles from Outer Seerah Events)

ملا علی قاریؒ کا سب سے نمایاں اسلوب یہ ہے کہ وہ سیرت کے کسی بھی واقعے کے ظاہری پہلو کو بیان کرنے کے بعد اسے سالک کی باطنی زندگی پر منطبق کرتے ہیں۔ مثلاً واقعہ غارِ حرا کی شرح میں وہ اسے محض ایک تاریخی واقعہ قرار دینے کے بجائے "تخلیہ" (Purification of the Heart) کا ایک عالمگیر صوفیانہ قاعدہ بنا دیتے ہیں[13]۔

۲. لغوی اور اصطلاحی مناسبت (Linguistic and Terminological Affinity)

آپؒ حدیث کے الفاظ سے صوفیانہ اصطلاحات کشید کرتے ہیں۔ اگر حدیث میں "ہجرت" کا لفظ آیا ہے، تو آپؒ لغوی مناسبت سے اسے "نفس کی برائیوں سے ہجرت" اور "انوارِ شہود" کی طرف سفر سے تعبیر کرتے ہیں[14]۔ آپؒ کا یہ اسلوب ثابت کرتا ہے کہ تصوف شریعت کے الفاظ سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ ان کی گہری معنوی تہیں ہیں۔

۳. مربیانہ اور طبیبانہ انداز (Mentoral and Therapeutic Approach)

ملا علی قاریؒ کا اسلوب ایک طبیبِ روحانی کا ہے۔ وہ سیرت کے واقعات کو اصلاحِ نفس کے لیے بطور نسخہ پیش کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے وساوس یا رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر ان کی قلبی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے وہ اسے "ادبِ شیخ" اور "نفیِ اعتراض" (Negation of Objection) کے اصولوں کے طور پر بیان کرتے ہیں[15]۔

۴. جمع بین الشریعہ والطریقہ (Integration of Sharia and Tariqa)

آپؒ کا منہج اعتدال پر مبنی ہے اور وہ سیرت سے تصوف اخذ کرتے ہوئے شریعت کے ظاہری حدود کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ آپؒ کا اسلوب یہ ہے کہ ہر وہ صوفیانہ حال جو سیرت کے کسی عمل کے خلاف ہو، وہ مردود ہے؛ اسی لیے وہ معراج سے واپسی کے واقعے سے یہ قاعدہ نکالتے ہیں کہ بلند مقام پر پہنچ کر بھی ظاہری عبادات کی پابندی ہی اصل بندگی ہے[16]۔

۵. استخراجِ قواعد (Derivation of Rules):

ملا علی قاریؒ محض تشریح نہیں کرتے بلکہ با قاعدہ اصول وضع کرتے ہیں۔ آپؒ کے اسلوب میں "قاعدہ"، "اصل"، اور "اشارہ" جیسے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کا حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے لیے چادر بچھانے کے عمل سے وہ "رعایتِ حقوقِ قدیمہ" (Honoring Long-standing Rights) کا اصولی قاعدہ مستنبط فرماتے ہیں[17]۔

واقعاتِ سیرت میں فقہ التصوف کے مباحث

۱۔ حقیقتِ خلوت اور تخلیہ و تحلیہ وغیبت وحضور کا تصور

واقعہ کی تفصیل: نبی کریم ﷺ بعثت سے قبل غارِ حرا میں کئی کئی راتیں "تحنث" (عبادت) میں گزارتے تھے اور اس مقصد کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاتے تھے۔

صوفیانہ شرح و قواعد: ملا علی قاریؒ اس واقعے کی روشنی میں درج ذیل صوفیانہ اصول واحوال مستنبط فرماتے ہیں:

۱. تخلیہ وتحلیہ کا قاعدہ: ملا علی قاریؒ کے نزدیک "خلاء" (تنہائی) سے مراد وہ خلوت ہے جو درحقیقت "تخلیہ" (دل کو غیر اللہ سے خالی کرنا) کا نام ہے۔ یہی تخلیہ "تحلیہ" (دل کو نورِ الٰہی سے آراستہ کرنے) کے لیے مقدمہ اور بنیاد فراہم کرتا ہے تاکہ قلب میں اللہ کے نورِ وجود کا ثبات ہو سکے۔[18]

۲. سلوکِ عارفین: امام نوویؒ کے حوالے سے وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ خلوت اللہ کے عارف بندوں اور صالحین کا شیوہ ہے۔ اس خلوت کا ایک بڑا مقصد "خلو عن المطالب النفسية" (نفسانی مطالبات اور شہوتوں سے دل کا خالی ہونا) تھا۔[19]

۳. غیبت و حضور (فنا و بقا): ملا علی قاریؒ اس نبوی خلوت کا لبِ لباب "غیبت عما سواہ" (غیر اللہ سے بے خبری) اور "حضور مع اللہ" (اللہ کے ساتھ قلبی حاضری) قرار دیتے ہیں۔ صوفیا کرام کی اصطلاح میں اسے ہی "فنا" اور "بقا" سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو بندگی کا اعلیٰ ترین مقام اور سالک کے سفر کی آخری منزل ہے۔[20]

۴. استنارتِ باطن: غار کی اس تنہائی کا مقصد قلب کو تفکر کے لیے فارغ کرنا تھا تاکہ دل "نورِ غیب" سے منور ہو سکے۔ یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ تصوف کی بنیاد نفس کی پاکیزگی اور اسے مولیٰ کی رضا کے تابع کرنے پر ہے تاکہ بشری ظلمات دور ہوں اور انوارِ الٰہی کا مشاہدہ میسر آئے۔[21]

۲۔ سفرِ طائف اور مقامِ "افتقار" (بے بسی) و "اضطرارِ باطنی" (باطنی بے چینی اور تڑپ)

واقعہ کی تفصیل: نبی کریم ﷺ جب مکہ کے مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر دعوتِ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے، تو وہاں کے سرداروں نے اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپ ﷺ پر اس قدر پتھراؤ کیا کہ آپ ﷺ کے نعلینِ مبارک خون سے بھر گئے۔ اس کٹھن وقت میں آپ ﷺ نے وہ تاریخی دعا مانگی جو صوفیا کرام کے نزدیک بندگی اور اپنی ہستی کی نفی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

صوفیانہ شرح و قواعد: ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس واقعے کی شرح اور آپ ﷺ کی دعا کے الفاظ سے تصوف کے درج ذیل علمی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱. مقامِ افتقار (فقرِ حقیقی): ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ کا اپنی کمزوری کا شکوہ کرنا (أَشْكُو إِلَيْكَ ضَعْفَ

قُوَّتِي)، صوفیا کرام کے نزدیک "مقامِ افتقار" کی انتہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سالک کے لیے سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی قوت، تدبیر اور اسباب سے کلی طور پر دستبردار ہو کر مولیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار کرے، کیونکہ یہی وہ باطنی فقر ہے جو اللہ کی نصرت کو کھینچ لاتا ہے۔

۲۔ مقامِ رضا اور نفیِ اعتراض: وہ اس صوفیانہ قاعدے کی وضاحت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اتنی تکلیف کے باوجود یہ فرمایا: "اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے (ان تکالیف کی) کوئی پرواہ نہیں"۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق یہ "مقامِ رضا" کی وہ بلند منزل ہے جہاں سالک کا مقصودِ اصلی صرف "رضائے محبوب" ہوتی ہے اور وہ باطنی طور پر ہر قسم کے ظاہری حالات پر معترض ہونا چھوڑ دیتا ہے، جو کہ صوفیانہ تربیت کا ایک اہم ستون ہے۔

۳۔ نورِ حق میں استغراق: ملا علی قاریؒ کے مطابق آپ ﷺ کا اللہ کے "نورِ وجہ" (تیرے چہرے کے نور) کے ذریعے پناہ طلب کرنا اس صوفیانہ حقیقت کی دلیل ہے کہ ایک کامل عارف کی نگاہ اسبابِ دنیا سے ہٹ کر براہِ راست "ذاتِ الٰہی" کے مشاہدے پر جمی ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک جب دل اللہ کے نورِ معرفت سے منور ہو جائے، تو کائنات کی کوئی بھی تاریکی یا دشمن اسے مولیٰ سے محجوب نہیں کر سکتا۔[22]

۳۔ معراج سے واپسی اور "مقامِ رجوع" یعنی "بقاء بعد الفناء"

واقعہ کی تفصیل: شبِ معراج حضور ﷺ سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے آگے کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوئے، جہاں آپ ﷺ کو قربِ الٰہی کی انتہا حاصل ہوئی، پھر اللہ کے حکم اور حکمتِ صمدانی کے تحت آپ ﷺ دوبارہ دنیا میں مخلوق کی ہدایت اور تکمیل کے لیے واپس تشریف لائے اور انبیاء کی امامت فرمائی۔

صوفیانہ شرح و قواعد: ملا علی قاریؒ اس واقعے سے صوفیا کرام کا ایک عظیم اور دقیق قاعدہ "الرجوع الی البدایہ" (انتہا کے بعد ابتدا کی طرف واپسی) اخذ کرتے ہیں:

۱۔ بقاء بعد الفناء کی حقیقت: ملا علی قاریؒ کے مطابق حضور ﷺ کا اس قدر بلند مقامات سے واپس آنا دراصل "بقاء بعد الفناء" (فنا فی اللہ ہونے کے بعد اس کے ساتھ باقی رہنا) اور "تفرقہ بعد الجمع" (وحدتِ حق کے مشاہدے کے بعد کثرتِ خلق میں واپس آنا) کے صوفیانہ احوال کی تکمیل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کاملین کا شیوہ یہی ہے کہ وہ عروج (سفر من اللہ) کے بعد دوبارہ ابتدا (سفر الی الخلق) کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ "حکمتِ صمدانی" کے تحت مخلوق کی تربیت اور تکمیل کر سکیں۔

۲۔ مقامِ تواضع اور بندگی: ان کے نزدیک معراج سے واپسی درحقیقت "نزول من العظمۃ" ہے، جو کہ تواضع اور بندگی کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جہاں سالک کا رابطہ خالق کے ساتھ انتہا پر ہونے کے باوجود مخلوق سے منقطع نہیں ہوتا۔

۳۔ شرعی احکام کی استقامت: ملا علی قاریؒ ایک باریک صوفیانہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مقامِ انتہا سے واپسی پر تمام انبیاء کرامؑ کے ساتھ دوبارہ مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا فرمائی، جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ سچا سالک مقامِ انتہا پر پہنچ کر بھی ظاہری شریعت اور عبادات کی پابندی سے آزاد نہیں ہوتا، بلکہ اس کی بندگی پہلے سے زیادہ مستحکم ہو جاتی ہے۔[23]

۴۔ ہجرتِ مدینہ اور "سلوکِ الی اللہ" کی حقیقت

واقعہ کی تفصیل: نبی کریم ﷺ کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانا؛ جسے تاریخِ اسلام میں ایک عظیم

جغرافیائی اور سیاسی موڑ کی حیثیت حاصل ہے، مگر صوفیا کرام اور شارحینِ حدیث نے اسے ایک عظیم باطنی سفر کے نمونے کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں ہجرت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے تصوف کے درج ذیل علمی نکات اور قواعد بیان فرماتے ہیں:

۱ .خروج من المقام (باطنی ہجرت) :ملا علی قاریؒ کے نزدیک سیرتِ نبوی میں ہجرت کا واقعہ صوفیا کرام کے لیے "خروج من مقامه" (اپنے موجودہ مقام سے نکلنے) کا درس ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سالک کے لیے اصل ہجرت یہ ہے کہ وہ نفس کی منازل اور قلب کے مختلف مقامات سے نکل کر اللہ کی طرف سفر کرے تاکہ اللہ کی رضا اور اس کی پہچان کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کیا جاسکے۔

۲ .ظلمات سے انوار کا سفر :وہ اس واقعے سے یہ صوفیانہ قاعدہ اخذ کرتے ہیں کہ سچی ہجرت درحقیقت "ظلماتِ حدوث و فنا" (مخلوق کی فانی دنیا اور اس کے اثرات) سے نکل کر "انوارِ شہود و بقا" (خالق کے دائمی مشاہدے اور اس کی معرفت) کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ ان کے نزدیک اس سفر کا مقصد بندگی کی پستی (حضیضِ عبودیت) سے نکل کر اللہ کے قرب کی بلندی (ذروۂ عندیت) تک پہنچنا ہے۔[24]

۳ .مقامِ فنا و بقا :ملا علی قاریؒ کے مطابق ہجرت کا باطنی لبِ لباب یہ ہے کہ سالک ماسوی اللہ سے کلی طور پر کٹ جائے (فنا فی اللہ) اور اللہ کی پاک ذات کے ساتھ ہمہ وقت جڑ جائے (بقاء باللہ)۔ وہ اس کیفیت کو "انسِ الٰہی" کی واپسی اور "قدس کی منزل" میں قیام سے تعبیر کرتے ہیں، جہاں سالک کو اللہ کے دیدارِ جمال اور قلبی رضا کی دائمی لذت میسر آتی ہے۔[25]

۵۔ غزوۂ بدر میں "انقطاع عن الخلق" اور مقامِ رجوع

واقعہ کی تفصیل :غزوۂ بدر کے موقع پر جب لشکرِ اسلام دشمن کے مقابلے میں صف آرا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے جب یہ مشاہدہ فرمایا کہ صحابہ کرامؓ ظاہری طور پر مخلوق (دشمن اور اسباب) کے ساتھ مشغول ہیں، تو آپ ﷺ خود کو ان سے جدا کر کے "ذاتِ مطلق" (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہوگئے اور کمالِ عاجزی و گریہ زاری کے ساتھ دعا میں مشغول ہوگئے۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے کی شرح میں مریدی اور سلوک کے درج ذیل علمی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱ .انقطاع اور توجہ الی اللہ :ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ کا یہ طرزِ عمل صوفیا کرام کے لیے "انقطاع عن الخلق" (مخلوق سے کٹ جانا) کا سب سے بڑا سبق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب سالک دیکھے کہ لوگ دنیاوی اسباب اور ہنگاموں میں الجھے ہوئے ہیں، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے باطن کو ان سے موڑ کر اللہ کی یاد میں غرق کردے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کے وقت خود کو اللہ کی طرف متوجہ کرلیا۔

۲ .مقامِ رجوع اور استمداد :وہ اس واقعے سے یہ قاعدہ اخذ کرتے ہیں کہ ایک سچے طالب اور صوفی کو ہنگامۂ کارزار اور عملی زندگی کے دوران بھی باطنی طور پر "رجوع الی الحق" کا استحضار رکھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک حضور ﷺ کا اپنی ذات کو اللہ کے حضور پیش کردینا درحقیقت اسی باطنی استمداد کی طرف اشارہ ہے جو نصرتِ الٰہی کا اصل ذریعہ ہے۔

۳ . نفیِ اسباب اور مشاہدۂ حق :ملا علی قاریؒ کے مطابق یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ جب بندہ اسبابِ دنیا سے کلی طور پر مایوس ہو کر مسبّب الاسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اسے "مشاہدۂ حق" کی وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو ظاہری فتوحات سے مقدم ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کا اعتماد اپنے عمل یا اسباب سے اٹھ کر محض اللہ کے فضل اور اس کی غنی ذات پر قائم ہو جاتا ہے۔[26]

۶۔ صلح حدیبیہ اور مقامِ "تسلیم و رضا"

واقعہ کی تفصیل :ذی القعدہ 6ھ میں صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے مشرکینِ مکہ کی بظاہر سخت اور یکطرفہ شرائط (مثلاً مسلمانوں کی واپسی اور مدینہ منورہ سے آنے والے کو واپس کرنا) قبول فرمائیں، تو اس وقت بعض صحابہ کرامؓ کو ظاہری مصلحت کے پیشِ نظر قلبی تردد ہوا، مگر آپ ﷺ نے کمالِ وقار اور الٰہی اشارے پر اس معاہدے کو پایا تکمیل تک پہنچایا۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے سے تصوف کے درج ذیل علمی و تربیتی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱ . امرِ الٰہی بمقابلہ بشری عجز :ملا علی قاریؒ کے نزدیک صلح کی شرائط کو قبول کرنا کسی بشری کمزوری یا مغلوبیت کا نتیجہ نہ تھا۔ وہ تصوف کا یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ مربیِ کامل کے بعض افعال "الہامِ الٰہی" کے تحت ہوتے ہیں، جن کی بنیاد محض ظاہری مصلحت پر نہیں بلکہ خالص امرِ الٰہی پر ہوتی ہے۔[27]

۲ . شیخ کی بصیرت اور "ثمراتِ باہرہ" :"وہ اس صوفیانہ حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ مربی (شیخ) کے فیصلے بعض اوقات مریدین کی ناقص عقل اور ظاہری فہم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق اس صلح میں وہ "ثمراتِ باہرہ" پوشیدہ تھے (جیسے فتحِ مکہ اور کثرت سے لوگوں کا اسلام میں داخلہ) جنہیں صحابہ کرامؓ ابتدا میں نہیں دیکھ پا رہے تھے مگر مربیِ کامل ان کے فوائد سے آگاہ تھے۔

۳ . مقامِ تسلیم اور نفیِ اعتراض :ملا علی قاریؒ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا اپنے قلبی تردد کے باوجود آپ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا دراصل صوفیانہ قاعدے "تسلیم و رضا" کی عملی تصویر تھی۔ ان کے مطابق مریدی کا کمال اپنے شیخ کے فیصلوں پر "نفیِ اعتراض" کرنے میں ہے[28]۔ یہی وہ باطنی استقامت اور کامل سپردگی ہے جو انجام کار بڑی روحانی و ظاہری فتوحات کا ذریعہ بنتی ہے، جیسا کہ صلحِ حدیبیہ کے بعد لوگوں کے قلوب اسلام کی طرف مائل ہوئے اور حق واضح ہو گیا[29]۔

۷۔ غزوہ تبوک کے تخلف اور مقامِ "ضِیقِ نفس"

واقعہ کی تفصیل :غزوہ تبوک کے موقع پر تین صحابہ کرامؓ (حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے ساتھی) مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی توبہ کی قبولیت سے قبل ان پر ایک ایسی باطنی و ظاہری کیفیت گزری جسے قرآن کریم نے "حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ"[30] (حتیٰ کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی) سے تعبیر فرمایا۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس واقعے اور اس سے جڑی حدیث (الدنیا سجن المؤمن)[31] کی شرح میں تصوف کے درج ذیل علمی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱ . دنیا بطورِ زندانِ سالک :ملا علی قاریؒ کے نزدیک یہ واقعہ اس صوفیانہ حقیقت کی دلیل ہے کہ "دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے"۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب سالک کا قلب نفسانی خواہشات اور غفلت کی وجہ سے مولیٰ (محبوبِ حقیقی) سے محجوب ہو جاتا ہے، تو اسے ظاہری وسعتوں کے باوجود ایک ایسی باطنی تنگی محسوس ہوتی ہے جو کسی مادی قید سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی قید وہی ہے جو انسان کو اس کے محبوبِ حقیقی (اللہ) سے دور کر دے۔

۲ . مقامِ اضطرار اور توبہ :وہ اس تنگی کو "ضِیقِ نفس" کے مقام سے تعبیر کرتے ہیں، جو توبہ صادقہ کے لیے ایک لازمی صوفیانہ حال ہے۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق جب تک سالک کے لیے ماسویٰ اللہ کے تمام راستے مسدود نہیں ہو جاتے اور وہ اپنی ہستی کے اسباب سے کلی طور پر مایوس نہیں ہو جاتا، تب تک اس کا رجوع کامل نہیں ہوتا؛ یہی وہ باطنی اضطرار ہے جو سالک کو "نورِ حق" کے مشاہدے کے قابل بناتا ہے۔

۳ . انقطاع عن الاغیار (مخلوق سے کٹنا) :ملا علی قاریؒ کے مطابق صحابہ کرامؓ کا سماجی بائیکاٹ اور زمین کا ان پر تنگ ہونا دراصل ان کے باطن کو "اغیار" (غیر اللہ) کی انسیت سے پاک کرنے کا ایک الٰہی طریقہ تھا۔ تصوف کا یہ اصول ہے کہ جب دل سے مخلوق کا سہارا ختم ہو جاتا ہے اور بندہ صرف مولیٰ کی رحمت کا محتاج رہ جاتا ہے، تبھی اس پر "انوارِ شہود" کے دروازے کھلتے ہیں اور اسے بندگی کی اصل لذت حاصل ہوتی ہے۔[32]

۸۔ مقامِ محصب میں قیام اور "مقایسہِ احوال" کا قاعدہ

واقعہ کی تفصیل :نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ سے واپسی پر "مقامِ محصب" میں قیام فرمایا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں کفارِ قریش اور بنو کنانہ نے اسلام کے خلاف اور بنو ہاشم کے معاشی و سماجی بائیکاٹ کے لیے ظلم و کفر پر مبنی عہد و پیمان کیا تھا۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے کی شرح میں تصوف کے درج ذیل علمی و عملی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱ . تذکرِ نعمت اور مشاہدہِ صنعِ الٰہی :ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ کا یہاں قیام فرمانا محض اتفاقی نہ تھا بلکہ "لطفِ صنعِ الٰہی" کے مشاہدے اور اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے کے لیے تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سالک کے لیے یہ ایک بڑا سبق ہے کہ وہ ان مقامات پر ٹھہرے جہاں اسے اپنی سابقہ تنگی اور موجودہ وسعت کا احساس ہو سکے تاکہ وہ اللہ کے لطف و کرم کو بہتر طور پر محسوس کر سکے۔

۲ . قاعدہِ مقایسہِ احوال :ملا علی قاریؒ اسے صوفیانہ مشرب میں "عبادت" کی ایک لطیف قسم قرار دیتے ہیں، جسے "مقایسہِ احوال" (سابقہ اور موجودہ احوال کا موازنہ) کہا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اپنے "حالِ سابق" (حالتِ انحصار و تنگی) کو "حالِ موجود" (نصرت و فتح) کے سامنے رکھ کر غور کرنا دل میں حقیقی شکر اور بندگی کے وہ اعلیٰ جذبات پیدا کرتا ہے جو معرفتِ الٰہی کا اصل راستہ ہیں۔

۳ . نصرتِ الٰہی کا استحضار اور بندگی :ملا علی قاریؒ کے مطابق یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ سچا سالک اور صوفی اپنی فتوحات اور کامیابیوں کے وقت اپنی پچھلی عاجزی اور تنگی کو نہیں بھولتا۔ حضور ﷺ کا اس مقام پر قیام کرنا درحقیقت اسی بندگی اور "اقرارِ نصرتِ الٰہی" کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جہاں بندہ اپنی ہستی کو اللہ کے فضل کے سامنے ہیچ سمجھنے لگتا ہے اور ہر کامیابی کو محض اللہ کی

عطا قرار دیتا ہے۔[33]

۹۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا اکرام اور "رعایتِ حقوقِ قدیمہ" کا قاعدہ

حدیث مبارکہ » :رَأَيْتُ النَّبِيَّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعْرَانَةِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ حَتَّى دَنَتْ إِلَى النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ، فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ. فَقُلْتُ مَنْ هِيَ؟ ، فَقَالُوا: هِيَ أُمُّهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ» -

ترجمہ :(حضرت ابو الطفیلؓ سے روایت ہے کہ) میں نے نبی کریم ﷺ کو مقامِ جعرانہ پر گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا، اسی اثناء میں ایک خاتون تشریف لائیں اور نبی ﷺ کے قریب ہوئیں، تو آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادرِ مبارک بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی (رضاعی) والدہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے کی شرح میں تصوف کے درج ذیل اہم اصول واحوال بیان فرماتے ہیں:

۱ .رعایتِ حقوقِ قدیمہ کا وجوب :ملا علی قاریؒ کے نزدیک اس واقعے میں صوفیا کرام کے لیے "رعایتِ حقوقِ قدیمہ" (پرانے حقوق کی پاسداری) اور "لزومِ اکرام" (اکرام کا وجوب) کا ایک عظیم درس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس شخصیت سے کبھی بھی کوئی باطنی یا ظاہری فیض (جیسے بچپن میں دودھ پلانا) حاصل ہوا ہو، اس کا اکرام اور اس کی قدر کرنا سالک کے لیے لازمی ہے۔

۲ .ادب اور وفاداری کا مشرب :آپ ﷺ کا اپنی چادرِ مبارک بچھانا درحقیقت اسی صوفیانہ اخلاقیات کا ستون ہے، جہاں "وفاداری" اور "ادب" کو تمام ظاہری عبادات پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق ایک سچا صوفی وہ ہے جو اپنے محسنین اور سابقہ تعلقات کی اس طرح لاج رکھے کہ اپنی سب سے قیمتی متاع (چادرِ مبارک) ان کے بیٹھنے کے لیے بچھا دی۔

۳ .تربیتِ مربی کا اثر :ملا علی قاریؒ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ مشفقانہ اور مودت آمیز روش اس مربیانہ طرزِ عمل کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو سکھایا ہے۔ صوفیا کرام کے نزدیک یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ روحانی کمالات کا حصول صرف وظائف سے نہیں، بلکہ ان باطنی اخلاقیات سے ہوتا ہے جو انسان کو اپنے مربیوں اور محسنین کے سامنے عاجز اور حد درجہ باادب بنا دیتے ہیں۔[34]

۱۰۔ آدابِ شیخ اور نفیِ اعتراض کا قاعدہ

واقعہ کی تفصیل : تین صحابہ کرامؓ نے امہات المومنینؓ سے نبی کریم ﷺ کی نجی عبادات اور وظائف کے بارے میں دریافت کیا، تو انہیں وہ عبادات (اپنی توقع کے مقابلے میں) کچھ کم معلوم ہوئیں، جس پر انہوں نے اس کی تاویل یہ کی کہ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہیں، لہٰذا ہمیں اپنے لیے مزید سختی کرنی چاہیے۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے کی شرح میں مرید اور شیخ کے تعلق کے حوالے سے تصوف کے درج ذیل اہم اصول و آداب بیان فرماتے ہیں:

۱ .آدابِ مرید و عظمتِ شیخ :ملا علی قاریؒ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل مرید کے لیے "تعلیم" ہے کہ وہ اپنے شیخ کے افعال کو حقارت سے نہ دیکھے ۔ وہ لکھتے ہیں: «وَفِيهِ تَعْلِيمٌ لِلْمُرِيدِ بِأَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَى الشَّيْخِ بِعَيْنِ الِاحْتِقَارِ وَإِنْ رَأَى

عِبَادَتَهُ قَلِيلَةً» (ترجمہ: اس میں مرید کے لیے یہ تعلیم ہے کہ وہ شیخ کی طرف حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اگرچہ وہ اس کی عبادت کو (ظاہری طور پر) کم ہی کیوں نہ پائے)۔

۲. نفس کی ملامت کا اصول: وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر مرید کے دل میں مربی کے کسی عمل پر اعتراض پیدا ہو، تو اسے اپنے نفس کے نقص پر محمول کرنا چاہیے۔ ملا علی قاریؒ کی عبارت ہے: «فَلْيُظْهِرْ عُذْرَهُ وَلْيَلُمْ نَفْسَهُ إِنْ جَرَى فِيهَا إِنْكَارٌ عَلَى شَيْخِهِ» (ترجمہ: پس مرید کو چاہیے کہ وہ (شیخ کے لیے) عذر تلاش کرے اور اپنے نفس کو ملامت کرے اگر اس کے دل میں اپنے شیخ پر کوئی انکار یا اعتراض گزرے)۔

۳. کمالِ فلاح اور نفیِ اعتراض: ملا علی قاریؒ تصوف کا یہ عظیم قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ پر اعتراض کرنا مرید کی روحانی موت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: «لِأَنَّ مَنِ اعْتَرَضَ عَلَى شَيْخِهِ لَمْ يُفْلِحْ أَبَدًا» (ترجمہ: کیونکہ جس نے اپنے شیخ پر اعتراض کیا، وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا)۔ ان کے نزدیک شیخ کی عبادت کی ظاہری قلّت دراصل ان کے باطنی کمال اور اللہ کے ساتھ ان کے "باطنی معاملے" (معاملہ باطنیہ) کی طرف اشارہ ہوتی ہے جسے مرید کا فہم نہیں پا سکتا۔[35]

۱۱۔ صحابہ کی باطنی تربیت اور مقام "کائن بائن" (خلوت در انجمن)

واقعہ کی تفصیل: صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگی نبی کریم ﷺ کی صحبت کا براہِ راست ثمر تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ اس امت کے سب سے افضل لوگ تھے، جن کے دل سب سے زیادہ پاک اور علم سب سے زیادہ گہرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

صوفیانہ شرح و قواعد: ملا علی قاریؒ صحابہ کرامؓ کے ان اوصاف اور ان کی طرزِ زندگی کی شرح میں تصوف کے درج ذیل علمی و عملی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱. ترکِ تکلف اور سادگی: ملا علی قاریؒ کے مطابق صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ریاکاری اور بناوٹ کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ ننگے پاؤں چلتے، زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرتے اور سادگی سے ہر قسم کے برتن میں کھانا کھا لیتے تھے۔ تصوف کا یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ "ترکِ تکلف" (عدم التکلف) ہی وہ راستہ ہے جو سالک کو ظاہری نمائش سے بچا کر باطن کی صفائی اور مولیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی طرف لے جاتا ہے۔

۲. باطنی انقطاع (خلوت در انجمن): ملا علی قاریؒ صحابہ کرامؓ کے لیے "فرشیّین" (زمین پر رہنے والے) اور "عرشیّین" (عرشِ الٰہی سے جڑے ہوئے) کے لطیف القاب استعمال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ظاہری طور پر مخلوق کے ساتھ میل جول رکھتے تھے (کائنین مع الخلق) مگر باطنی طور پر اللہ کے ساتھ اس قدر جڑے ہوئے تھے کہ مخلوق ان کے لیے حجاب نہیں تھی (بائنین عن الخلق مع الحق)۔ صوفیا کرام کی اصطلاح میں اسے ہی "خلوت در انجمن" یا "کائن بائن" کا مقام کہا جاتا ہے۔

۳. مربیِ کامل کی صحبت کا اثر: ملا علی قاریؒ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی یہ تمام باطنی خوبیاں نبی کریم ﷺ کی "کامل تربیت" (تربية النبي ﷺ المربي الكامل) کا نتیجہ تھیں۔ صوفیا کرام کے نزدیک "صحبتِ شیخ" کی اہمیت اسی سے ثابت ہے کہ ایک مربیِ کامل کی توجہ سالک کے دل پر "اکسیر" کی طرح اثر کرتی ہے، جس کے بعد وہ ظاہری دنیا کے ہنگاموں میں

رہتے ہوئے بھی باطنی طور پر "نورِ نبوت" کے زیرِ اثر رہتا ہے۔[36]

۱۲۔ ترکِ رہبانیت اور باطنی انقطاع کا اصول

واقعہ کی تفصیل: ایک سفر (سریہ) کے دوران ایک صحابی کا گزر ایسے غار سے ہوا جہاں پانی اور کچھ سبزہ موجود تھا، ان کے دل میں دنیا سے کٹ کر (تجرید) وہیں قیام اور ہمہ وقت عبادت کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، جس پر انہوں نے حضور ﷺ سے باقاعدہ اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اسے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: " إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ، وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ، وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَغَدْوَةٌ، أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَمَقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ، خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهِ سِتِّينَ سَنَةً "»[37]۔ آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ میرا دین سابقہ امتوں کی طرح "رہبانیت" (دنیا سے مکمل لاتعلّقی) کا دین نہیں ہے، بلکہ میں "الحنیفیۃ السمحۃ" (آسان اور یکسو دینِ توحید) کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ اللہ کی راہ میں نکلی ہوئی ایک صبح یا شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور لوگوں کے ساتھ مل کر صفِ قتال (یا صفِ جماعت) میں کھڑا ہونا انفرادی طور پر ساٹھ سال نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

صوفیانہ شرح و قواعد: ملا علی قاریؒ اس واقعے کی شرح میں تصوف کے درج ذیل علمی و عملی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱. نفیِ رہبانیت اور علوِ ہمت: ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ کا اس صحابیؓ کو غار میں گوشہ نشین ہونے سے منع کرنا اس صوفیانہ قاعدے کی بنیاد ہے کہ اسلام میں "ترہب" (ظاہری دنیا سے کلی فرار) مقصود نہیں ہے۔ ان کے مطابق اس امت کے سچے سالک اور صوفی کی "سیاحت" جہاد ہے اور اس کی "خلوت" مسجد میں انتظارِ نماز ہے، یعنی وہ مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہوئے اللہ سے جڑا رہے۔

۲. شریعتِ سمحہ (آسانی) کا مشرب: ملا علی قاریؒ اس سے یہ اصول اخذ کرتے ہیں کہ صوفیانہ سلوک کا مدار نفس کو ایسی مشقتوں میں ڈالنا نہیں ہے جو شریعت نے لازم نہیں کیں۔ ان کے نزدیک حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "میں حنیفیتِ سمحہ (آسان مشرب) کے ساتھ بھیجا گیا ہوں"، صوفیا کرام کے لیے یہ درس ہے کہ اصل تصوف اتباعِ سنت کی اعتدال پسندی میں ہے، نہ کہ نفس کو بے جا تعذیب دینے میں۔

۳. باطنی انقطاع بمقابلہ ظاہری انقطاع: ملا علی قاریؒ اس واقعے سے یہ قاعدہ وضع کرتے ہیں کہ صوفی کے لیے پہاڑوں کی ظاہری تنہائی سے زیادہ اہم "قلبی تنہائی" (انقطاعِ قلب عما سویٰ اللہ) ہے۔ سالک کا حقیقی کمال یہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر دین کی خدمت، جہاد اور سماجی ذمہ داریوں میں مصروف ہو، مگر اس کا باطن "نورِ حق" کے مشاہدے میں اس طرح غرق ہو کہ کوئی ظاہری ہنگامہ اس کے لیے حجاب نہ بن سکے۔[38]

۱۳۔ ربیعہ بن کعبؓ کا مطالبہ اور "مخالفتِ نفس" کا قاعدہ

واقعہ کی تفصیل: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت اور وضو کا پانی فراہم کرنے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کی خدمت سے خوش ہو کر فرمایا: "مانگو (جو چاہتے ہو)"۔ انہوں نے عرض کیا: "میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے علاوہ کچھ اور؟" انہوں نے کہا: "بس یہی میری مراد ہے"۔ تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ" (پس تم کثرتِ سجود کے ذریعے اپنے

نفس کے خلاف میری مدد کرو)۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ اس واقعے کے ذیل میں سلوک اور اصلاحِ نفس کے درج ذیل علمی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱. نفسِ دُنیّہ (نفسِ امارہ) کی مخالفت کا قاعدہ :ملا علی قاریؒ کے مطابق آپ ﷺ کے الفاظ "عَلَى نَفْسِكَ" اس صوفیانہ حقیقت کی طرف اشارہ ہیں کہ بلند روحانی مقامات اور درجاتِ عالیہ کا حصول نفس کی مخالفت کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ رفاقتِ نبوی ﷺ جیسے عظیم مقام کی طلب کے لیے "نفسِ دُنیّہ (lowly self) "کی خواہشات پر قابو پانا شرط ہے، کیونکہ نفس بالطبع پستی کی طرف مائل رہتا ہے اور اسے ریاضت کے ذریعے ہی بلندی پر لایا جا سکتا ہے۔

۲. کثرتِ سجود اور مقامِ عبودیت :ملا علی قاریؒ وضاحت کرتے ہیں کہ سجدہ بندے کی بندگی، عاجزی اور "غایۃِ تذلل" کا وہ اعلیٰ ترین اظہار ہے جو سالک کے باطن کو پاک کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا ربیعہؓ کو کثرتِ سجود کا حکم دینا اس لیے تھا تاکہ وہ اپنے عمل اور بندگی کے ذریعے اس الٰہی فضل کے قابل بن سکیں جو انہیں رفاقتِ نبوی ﷺ تک پہنچا دے، کیونکہ سجدہ ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

۳. علوِ ہمت اور طالبِ صادق کی صفت :ملا علی قاریؒ اس واقعے سے "علوِ ہمت (High Aspiration) "کا عظیم اصول اخذ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: «سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ لَهُ بَيْنَ حُسْنِ الْخِدْمَةِ وَعُلُوِّ الْهِمَّةِ» (پاک ہے وہ ذات جس نے ربیعہؓ کے لیے حسنِ خدمت اور بلندیِ ہمت کو جمع کر دیا)۔ ان کے نزدیک حضرت ربیعہؓ کا دنیا کی عارضی لذتوں کے بجائے آخرت کے سب سے بڑے انعام کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ طالبِ صادق کی نظر ہمیشہ مقصودِ حقیقی پر ہونی چاہیے۔[39]

۱۴۔ عبادت میں میانہ روی اور مقامِ "جمع الجمع"

واقعہ کی تفصیل :نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ پر ہوا جب وہ تہجد کی نماز میں مصروف تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نہایت پست آواز میں تلاوت کر رہے تھے جبکہ حضرت عمرؓ نہایت بلند آواز میں قرآت فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں سے ان کی کیفیات کے بارے میں دریافت فرمایا اور پھر ان کے احوال کی اصلاح کے لیے رہنما اصول عطا فرمائے۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس واقعے کی شرح کرتے ہوئے تصوف کے درج ذیل اہم اصول و احوال بیان فرماتے ہیں:

۱. نبی ﷺ بطورِ طبیبِ روحانی :ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور ﷺ کا یہ طرزِ عمل ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ ایک "طبیبِ حاذق (Skilled Physician) "اور "حبیبِ مشفق" کی مانند اپنے مریدین کے باطنی امراض اور کیفیات کی تشخیص فرماتے تھے تاکہ انہیں مرتبہِ کمال تک پہنچایا جا سکے۔

۲. مقامِ "جمع" اور "تفرقہ" کی حقیقت :وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پست آواز درحقیقت "مقامِ جمع" اور "مشاہدہِ وحدت" کا نتیجہ تھی، جہاں اللہ کی محبت کا مزاج اس قدر غالب تھا کہ وہ ماسویٰ اللہ سے منقطع ہو چکے تھے۔ اس کے برعکس حضرت عمرؓ فاروقؓ کا بلند آواز میں پڑھنا "مقامِ تفرقہ" اور "اصلاحِ خلق" کی نیت پر مبنی تھا تاکہ غافلین کو بیدار کیا جا سکے۔

تصوف میں ان دونوں مقامات (وحدتِ حق اور کثرتِ خلق) کے درمیان توازن پیدا کرنا ہی اصل مقصود ہے۔[40]

۳ . مقامِ "جمع الجمع" کا حصول :ملا علی قاریؒ کے مطابق حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آواز تھوڑی بلند کرنے اور حضرت عمرؓ فاروقؓ کو آواز تھوڑی پست کرنے کا جو حکم دیا، وہ دراصل انہیں "جمع الجمع" کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرنا تھا۔ صوفیا کرام کے نزدیک یہ وہ مقام ہے جہاں سالک بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے مگر باطنی طور پر اللہ کے مشاہدے سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا، اور یہی مقامِ انبیاء اور کامل اولیاء کا وظیفہ ہے۔[41]

۱۵۔ جبلِ احد کا ارتعاش اور مقامِ تمکین

واقعہ کی تفصیل :نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جبلِ احد پر تشریف لے گئے تو پہاڑ ان جلیل القدر ہستیوں کی آمد کی وجہ سے حرکت میں آگیا اور لرزنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے پاؤں مبارک مار کر فرمایا: "اے احد! ٹھہر جا، کیونکہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں"۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس واقعے کے باطنی پہلوؤں کی شرح کرتے ہوئے تصوف کے درج ذیل علمی اصول بیان فرماتے ہیں:

۱ . وجد اور تاثرِ کائنات :ملا علی قاریؒ کے نزدیک جبلِ احد کا لرزنا محض ایک طبعی عمل نہیں تھا بلکہ یہ "انتعاش" (خوشی سے جھومنا) اور "اہتزاز" (روحانی وجد) کی ایک صورت تھی جو اسے محبوبِ خدا ﷺ اور ان کے مقربین کی آمد کے سرور میں حاصل ہوئی۔ یہ اس صوفیانہ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق اور اس کے برگزیدہ بندوں کی آمد پر وجدانی کیفیت محسوس کرتی ہے۔

۲ . مقامِ تمکین اور غلبۂ تمکین بر وجد :وہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پہاڑ کو ٹھہر جانے (اثبت) کا حکم دینا دراصل صوفیا کرام کے لیے "تمکین" (باطنی استقامت) کا عظیم سبق ہے۔ ان کے نزدیک کمال یہ ہے کہ انسان کا باطن کتنا ہی روحانی انوار اور وجدانی کیفیات سے لبریز ہو، اس کے ظاہر پر "تمکین" اور شرعی وقار غالب رہنا چاہیے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سالک کے باطنی احوال اس کے ظاہری فرائض میں خلل انداز نہیں ہوتے۔

۳ . کاملین کا مشاہدہ :ملا علی قاریؒ اس صوفیانہ قاعدے کی تفہیم کے لیے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول پیش کرتے ہیں کہ جب ان سے وجد کے وقت ظاہری سکون کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے پہاڑوں کی مثال دی کہ وہ دیکھنے میں جامد نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں بادلوں کی طرح متحرک ہوتے ہیں -{وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ}[42] اس سے یہ صوفیانہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ "کامل الواصل" وہ ہے جس کا باطن ہمہ وقت "مشاہدۂ حق" میں محو ہو مگر اس کا ظاہر بندگی کے آداب اور وقار کے ساتھ قائم رہے۔[43]

۱۶۔ تبر (سونے کے ٹکڑے) کی فوری تقسیم اور مقامِ حضوری یعنی "نفیِ علائق" (دنیاوی تعلقات کا خاتمہ)

واقعہ کی تفصیل :مدینہ منورہ میں ایک بار نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرتے ہی تیزی سے صحابہ کرامؓ کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ایک زوجہ مطہرہؓ کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔ صحابہ آپ ﷺ کی اس غیر معمولی تیزی کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ ﷺ واپس آئے تو صحابہ کے چہروں پر حیرت دیکھ کر فرمایا: "مجھے

نماز کے دوران گھر میں موجود سونے کے ایک ٹکڑے (تبر) کا خیال آگیا تھا جو صدقے کا تھا، مجھے یہ بات ناگوار گزری کہ وہ مجھے (اپنے پاس) روکے رکھے، چنانچہ میں نے اسے فوری تقسیم کرنے کا حکم دے دیا"۔

صوفیانہ شرح و قواعد :ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں اس واقعے کی شرح کرتے ہوئے تصوف کے درج ذیل اہم اصول واحوال بیان فرماتے ہیں:

۱ . عائقِ مقامِ زلفٰی (قربِ الٰہی میں رکاوٹ): ملا علی قاریؒ اس واقعے سے صوفیا کرام کا یہ عظیم قاعدہ اخذ کرتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع کا دل میں استحضار یا اس کا پاس ہونا سالک کے لیے "حبس" (قید) کا باعث بنتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ "میں نے ناپسند کیا کہ وہ مجھے روکے رکھے" (فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي)، دراصل اس صوفیانہ حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مال کی موجودگی انسان کو "مقامِ زلفٰی" (قربِ الٰہی کی منزل) سے دور کر دیتی ہے۔

۲ . مقامِ حضوری میں استغراق :وہ اس لطیف نکتے کی وضاحت کرتے ہیں کہ ایک کامل عارف کے لیے مال کی موجودگی "الہاء" (غفلت) کا سبب بنتی ہے۔ صوفیا کرام کے نزدیک اصل مقصود "الحضور عند المولیٰ" (اللہ کے حضور ہمہ وقت قلبی حاضری) ہے۔ نبی کریم ﷺ کا نماز کے فوری بعد اس مال کو ٹھکانے لگانا ثابت کرتا ہے کہ تصوف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دل کسی بھی ایسی شے سے وابستہ نہ ہو جو مولیٰ کی یاد اور اس کے استحضار میں ذرہ برابر بھی حائل ہو۔

۳ . نفیِ تاخیر اور صفائے باطن :ملا علی قاریؒ کے مطابق اس واقعے سے "تجرید" (باطن کو غیر اللہ سے خالی کرنا) کا یہ اصول ملتا ہے کہ جب بھی کوئی دنیاوی شے باطن پر بوجھ بنے، اسے فوری طور پر دور کر دینا چاہیے۔ آپ ﷺ کا اسے رات گزارنے سے پہلے (تَبْيِيت) تقسیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سالک کو اپنے باطن کی صفائی میں ایک لمحے کی تاخیر بھی گوارا نہیں کرنی چاہیے تاکہ اس کا رشتہ خالق کے ساتھ ہمہ وقت استوار رہے۔[44]

نتائج البحث (Research Findings)

زیرِ نظر تحقیق کے دوران ملا علی قاریؒ کی شرح 'مرقاۃ المفاتیح' کے ابوابِ سیرت کے مطالعے سے درج ذیل نتائج حاصل ہوئے ہیں:

۱. تصوف کا سرچشمہ سیرتِ نبوی ﷺ: تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ملا علی قاریؒ کے نزدیک تصوف کوئی الگ فلسفہ یا عجمی نظریہ نہیں، بلکہ یہ براہِ راست سیرتِ طیبہ کے باطنی ابعاد اور نبوی نظامِ تربیت کا نام ہے۔

۲. منہجِ استنباط کی جدت: ملا علی قاریؒ کا اسلوب محض روایتی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ وہ حدیث کے الفاظ سے 'مناسباتِ لغویہ' اور 'اشاراتِ صوفیا کرام' کے ذریعے ایسے قواعد (مثلاً رعایتِ حقوقِ قدیمہ، مقامِ تمکین) اخذ کرتے ہیں جو عام شارحین کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔

۳. شریعت اور طریقت کی ہم آہنگی: مقالے سے یہ واضح ہوا کہ ملا علی قاریؒ کا منہج 'جامعیت' پر مبنی ہے۔ وہ ہر اس صوفیانہ حال یا مقام کو مسترد کرتے ہیں جو ظاہرِ شریعت یا سنتِ نبوی ﷺ کے خلاف ہو، یوں وہ علمِ حدیث اور علمِ تصوف کے درمیان ایک مضبوط پل کا کردار ادا کرتے ہیں۔

۴. مربیانہ اسلوب: آپؒ کا انداز ایک خشک محقق کا نہیں بلکہ ایک 'طبیبِ روحانی' کا ہے۔ وہ سیرت کے واقعات کو

سالک کے لیے نفسیاتی اور روحانی نسخوں کے طور پر پیش کرتے ہیں، بالخصوص "نفیِ اعتراض" اور "ادبِ شیخ" کے حوالے سے ان کے وضع کردہ اصول مریدین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

۵. خلوت در انجمن کا تصور: صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے "کائن بائن" (خلق میں رہتے ہوئے حق کے ساتھ ہونا) کا استنباط ثابت کرتا ہے کہ ملا علی قاریؒ کے نزدیک حقیقی تصوف دنیا سے فرار (رہبانیت) نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر احسان کی کیفیت حاصل کرنا ہے۔

تجاویز و سفارشات (Recommendations & Proposals)

۱. نصابی شمولیت: جامعات اور دینی مدارس کے اعلیٰ درجات (تخصص فی الحدیث اور تخصص فی التصوف) کے نصاب میں 'مرقاۃ المفاتیح' کے ان صوفیانہ مباحث کو شامل کیا جائے، تاکہ طلبہ حدیث کے ظاہری پہلوؤں کے ساتھ اس کے باطنی و مربیانہ اسرار سے بھی واقف ہو سکیں۔

۲. تقابلی مطالعہ: ملا علی قاریؒ کے اس صوفیانہ منہج کا دیگر شارحینِ مشکاۃ (مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی 'اشعۃ اللمعات') کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے، تاکہ برصغیر اور عرب و عجم کے صوفیانہ مشرب کے علمی اشتراک کو واضح کیا جا سکے۔

۳. جدید نفسیات اور فقہ التصوف: ملا علی قاریؒ نے سیرت کے واقعات سے جو 'تزکیہ نفس' کے اصول اخذ کیے ہیں، انہیں جدید نفسیات (Modern Psychology) کے تناظر میں پرکھا جائے کہ کس طرح 'خلوت'، 'تخلیہ' اور 'ادبِ شیخ' ذہنی آسودگی اور شخصیت کی تعمیر میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

۴. ڈیجیٹل اشاریہ سازی: 'مرقاۃ المفاتیح' ایک ضخیم شرح ہے، اس میں بکھرے ہوئے 'فقہ التصوف' کے مباحث اور صوفیانہ اصطلاحات کا ایک الگ 'موضوعاتی اشاریہ' (Thematic Index) تیار کیا جائے تاکہ محققین کو براہِ راست متعلقہ مواد تک رسائی مل سکے۔

۵. خانقاہی نظام کی اصلاح: عصرِ حاضر کے خانقاہی نظام میں جہاں بعض اوقات علمِ حدیث سے دوری نظر آتی ہے، وہاں ملا علی قاریؒ کے اس 'منہجِ تطبیق' کو بطورِ خاص متعارف کرایا جائے تاکہ سلوک و احسان کی بنیاد دوبارہ 'اتباعِ سنت' پر استوار ہو۔

حاصلِ بحث/خاتمہ (Conclusion)

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملا علی قاریؒ کی 'مرقاۃ المفاتیح' محض ایک شرح حدیث نہیں بلکہ 'فقہ التصوف' کا ایک گراں قدر انسائیکلوپیڈیا ہے۔ آپؒ نے سیرت کے واقعات کو محض تاریخی داستانوں کے طور پر نہیں بلکہ زندہ جاوید روحانی ضابطوں کے طور پر پیش کیا ہے۔

یہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ عصرِ حاضر میں جہاں ایک طرف تصوف کو شریعت سے کاٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور دوسری طرف خشک علمی رویے روحانیت سے محروم ہیں، وہاں ملا علی قاریؒ کا 'منہجِ تطبیق' بہترین علمی حل فراہم کرتا ہے۔ آپؒ کا کام یہ پیغام دیتا ہے کہ حقیقی روحانیت کا راستہ غارِ حرا کی خلوت سے شروع ہو کر صلح حدیبیہ کی تسلیم و رضا اور میدانِ کارزار کے 'انقطاع الی اللہ' سے گزرتا ہوا اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ 'مرقاۃ المفاتیح' کے اس صوفیانہ پہلو کو تعلیمی نصاب اور خانقاہی نظامِ تربیت کا حصہ بنایا جائے تاکہ علم اور حال کا حسین سنگم دوبارہ قائم ہو سکے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی وحوالہ جات

1۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دار الفکر—بیروت، 1422ھ، ج1، ص327۔

2۔ بوطی، محمد سعید رمضان، دروسِ سیرت (اردو ترجمہ از ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی)، نشریات-لاہور، ص27-30۔

3۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص327۔

4۔ ابن تیمیہ، ابو العباس، احمد بن شیخ شہاب الدین، فقہ التصوف (تہذیب زہیر شفیق الکبی)، بیروت، 1413ھ، ص5۔

5۔ ابن تیمیہ، احمد بن شیخ شہاب الدین، فقہ التصوف، ص18۔

6۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3740۔

7۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج8، ص3126۔

8۔ بوطی، محمد سعید رمضان، دروسِ سیرت (اردو ترجمہ)، ص27-30۔

9۔ ابن تیمیہ، احمد بن شیخ شہاب الدین، فقہ التصوف (تہذیب زہیر شفیق الکبی)، ص5۔

10۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص46؛ ج9، ص3774۔

11۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص334۔

12۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص327؛ ج9، ص3740۔

13۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3741۔

14۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص45۔

15۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص224۔

16۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3774۔

17۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج7، ص3092۔

18۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3740۔

19۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3741۔

20۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3742۔

21۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3742۔

22۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج8، ص3290۔

23۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3774۔

24۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص45۔

25۔ القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص46۔

26 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3814۔
27 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج6، ص2583۔
28 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج6، ص2583-2584۔
29 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج6، ص2587
30 ۔قرآن کریم، سورت توبہ، آیت118۔
31 ۔نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربي –بیروت، جلد4، ص2272۔
32 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج8، ص3222-3223;3249-3248۔
33 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج5، ص1866۔
34 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج7، ص3092۔
35 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص226،227۔
36 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج1، ص321۔
37 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج6، ص2490۔
38 ۔ایضاً
39 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج2، ص722-723۔
40 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج3، ص913۔
41 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج3، ص914۔
42 ۔قرآن کریم، سورت نحل، آیت88۔
43 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج9، ص3928۔
44 ۔القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج4، ص1331۔